محمد صدیق ملک
لیکچرر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر حاکم علی برڑو
اسسٹنٹ پروفیسر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سندھی اور سرائیکی کا لسانی، تہذیبی اور ثقافتی اشتراک

THE LINGUISTICAL, CULTURAL AND HISTORICAL COMPARISON OF SINDHI AND SARAIKI LANGUAGE

Abstract

In this research article, a survey of common cultural, historical and linguistic features of two great languages of the Indus Valley i.e. Sindhi, Saraiki has been presented. Actually, these two languages have been developed in the same atmosphere, same climate, same historical period and under the same supervision.

In spite of the above mentioned facts, these two languages have different constant status and identity.

زبانیں درختوں کی مانند ہوتی ہیں جو پھلتی پھولتی بھی ہیں اور ثمر بار ہو کر پھل اور نئے پودے بھی پیدا کرتی ہیں۔ بعض زبانیں حوادثِ زمانہ کا شکار ہو کر نیست و نابود بھی ہو جاتی ہیں اور یہ ایسی زبانیں ہوتی ہیں جو تحریر و تقریر کی زبانیں نہیں ہوتیں اور ان کا دامن دولتِ علم و ادب سے خالی ہوتا ہے اور وہ صرف دوسروں کے علم و ادب پر انحصار کرتے ہیں۔

سندھی اور سرائیکی وادی سندھ کی دو قدیم زبانیں ہیں جو ایک ہی خطے اور یکساں آب و ہوا میں ارتقاء کی منزلیں طے کرتی رہی ہیں۔ سندھی اور سرائیکی زبانوں کو نہ تو لسانی نقطہء نظر سے جُدا کیا جا سکتا ہے، نہ ہی تہذیبی و تاریخی اور ثقافتی نقطہء نظر سے۔ کیونکہ ان دونوں زبانوں کا مرکز و منبع ایک ہی ہے۔ دونوں زبانیں ایک ہی چشمے سے سیراب ہوتی رہی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی حکومت اور ایک ہی سرپرستی کے زیر اثر رہی ہیں۔ جیسا کہ نور علی ضامن حسینی کا بیان ہے:

> ”رقبہ، تسلسل اور اس کا طور و عرض وادی سندھ کے مورخین کے لیے باعث حیرت اور انکشاف بن جاتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ گوہڑپہ اور موہن جودڑو ان حدود سے ذرا باہر

پڑتے ہیں۔ مگر ہو نہ ہو سرائیکی زبان کا پانچ ہزار سال پہلے کی تہذیب ''وادی سندھ'' کے ساتھ کوئی گہرا تعلق ضرور پڑتا ہے۔'' (1)

سرائیکی زبان کا اگر تہذیبی تناظر میں جائزہ لیا جائے تو سندھی کی طرح اس کا زمانہ بھی موہن جو دڑو اور ہڑپائی دور سے جا ملتا ہے اور سندھی اور سرائیکی کا لسانی جغرافیہ بھی ایک ہی بنتا ہے۔ اس بارے میں جان ہمیز کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز لکھتے ہیں:

''سندھی دریائے سندھ کے نچلے حصے کی وادیوں میں ملتان سے ساحل بحر تک بولی جاتی ہے۔ یہ پورب میں راج پوتانہ کی ہندی بولیوں سے مل جاتی ہے اور پچھم میں بلوچی بولی سے مل جاتی ہے''۔(2)

درج بالا بیان سے صاف عیاں ہے کہ جان ہمیز سندھی اور سرائیکی کا کوئی الگ سے جغرافیہ متعین نہیں کر سکا جو کہ سندھی اور سرائیکی کے باہم مظبوط رشتے کی دلیل ہے۔ اور اسی طرح سندھی اور سرائیکی زبانوں کے باہم رشتے اور لسانی اشتراک کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمجید میمن سندھی بیان کرتے ہیں:

''سندھی اور سرائیکی زبانوں میں صرفیات، صوتیات اور نحویات کے نقطہ نظر سے گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ باوجود اس کے کہ دونوں زبانیں الگ اور مستقل حیثیت رکھتی ہیں''۔(3)

سرائیکی اور سندھی کے لسانی اشتراک کے بارے میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

''سرائیکی لسانی لحاظ سے سندھی کی سگی بہین معلوم ہوتی ہے۔''(4)

سندھی اور سرائیکی کی قدامت پر غور کریں تو وادی سندھ میں دراوڑ قوم فاتحین کی حیثیت سے آٹھ ہزار سال قبل مسیح میں وارد ہوئی۔ دراوڑ قوم کے لوگ بحیرہ روم سے آئے تھے۔ یہ قوم میسوپوٹیا، عراق اور بلوچستان سے ہوتی ہوئی وادی سندھ میں داخل ہوئی اور اپنی مشہور تہذیب کے مراکز موہن جو دڑو اور ہڑپہ قائم کیے۔ اس وقت مقامی قومیں سست اور کاہل ہو چکی تھیں اور دراوڑ قوم کافی مہذب اور طاقتور تھی اور سندھی، سرائیکی ثقافت پر اپنے اثرات بھی مرتب کیے۔

چھٹی صدی سے پالی، دردی اور دراچڈہ زبانیں بھی وادی سندھ کے لسانی ڈھانچے کو متاثر کرتی رہیں۔ اسی زمانہ میں وادی سندھ میں ایک نئی قوم پشاچہ کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ اس قوم نے موجودہ سندھی اور سرائیکی زبانوں پر بہت ہی گہرے اثرات چھوڑے۔ اس بارے میں ایچ ٹی لمبرک کا قول ہے:

''لہٰذا (سرائیکی) اور سندھی کا دارد ک بولیوں سے حروفِ علت کے حوالے سے اشتراک ہے''۔(5)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق سندھی اور سرائیکی زبانوں کی تشکیل میں دردستان سے آنے والوں

کی زبان پساچی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں :

''اس علاقے کی قدیم زبان کو دردستان سے آنے والوں کی زبان پساچی اپ بھرنش نے بہت متاثر کیا اور قدیم زبان نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ دراچڑہ اپ بھرنش وہ آخری زبان تھی جس کے بعد اس علاقے میں سرائیکی اور سندھی بولے جانے لگیں''۔(6)

آریائی قوموں کی گرفت جب وادی سندھ میں کمزور پڑنا شروع ہوئی تو عربوں نے وادی سندھ میں اقتدار حاصل کیا۔ محمد بن قاسم کی سندھ اور ملتان تک کی فتوحات نے عربوں کے لیے وادی سندھ میں قیام اور کاروبار کے دروازے کھول دیے۔اس دور میں خطہ سندھ نہ صرف اسلام کی روشنی سے منوّر ہوا بلکہ اس دور میں عربی کو مقبولیت ملی اور عام بول چال کی زبان میں بھی عربی زبان کے عمل دخل کی ابتداء ہوگئی اور سندھی اور سرائیکی میں عربی زبان کا ذخیرہ شامل ہونے لگا۔

فارسی کے اثرات وادی سندھ میں دارایوش (512ق م) کے زمانے سے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے فروشتی رسم الخط رائج ہوا جس سے سندھی اور سرائیکی یکساں مستفید ہوتی رہیں۔ سندھی زبان کے رسم الخط کے حوالے سے ڈاکٹر سجاد وحید پرویز لکھتے ہیں :

''سندھی اور سرائیکی کو اکثر بہنیں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے بولنے میں بہت تھوڑا فرق پایا جاتا ہے۔البتہ رسم الخط میں فرق بہت زیادہ ہے۔ ہوا یوں کہ 1853ء میں حکومت برطانیہ کے حکم سے ارنسٹ ٹرمپ کی نگرانی میں ایک رسم الخط کمیٹی قائم ہوئی۔ جس کا سربراہ ایلیس نام کا ایک اسسٹنٹ کمشنر تھا۔اس کے دس ممبران میں دو انگریز آفیسر برٹن اور اٹیک کے علاوہ سندھ سے چار مسلمان اور ہندو ممبر تھے۔(7)

در حقیقت انگریزوں کی یہ ایک سازش تھی جس کی وجہ سے وادی سندھ کے علم وادب کے خزانے کو ایک ایسے رسم الخط سے منسلک کر دیا گیا جس کی وجہ سے یہ علمی وادبی خزانہ صرف اہل زبان سندھیوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔اور سرائیکی بولنے والے اس رسم الخط کی وجہ سے صحیح طور پر سندھی خطے کے علم وادب سے ناآشنا ہوتے گئے۔ کیوں کہ انگریزوں کو سندھی علم وادب سے جذبہ حب الوطنی اور جذبہ حریت کی مہک آتی تھی اور وہ اسے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ سندھی اور سرائیکی جو صدیوں سے اکھٹے رہ رہے تھے اور ایک دوسرے کی طاقت تھے ان کو بانٹ دیا گیا۔ جبکہ خطہ سندھ سے صوفی شعرا کی کثیر تعداد سرئیکی میں بھی اپنا کلام بیان کرتے رہے ہمیں جو اس بنات کی قوی دلیل ہے کہ ان کے حلقہ ارادت میں آس پاس ان کے کلام سے مستفید ہونے والے موجود رہے ہیں۔اور وہ آج تک ایک دوسرے سے خلوص، محبت اور سچائی کے رشتے سے سرشار ہیں۔دوسرا ستیم یہ ہوا کہ سرائیکیوں نے

بجائے سندھی رسم الخط اپنانے کے بجائے اپنا الگ سے رسم الخط بنا کے مزید حدیں پیدا کر دیں۔

جبکہ یہاں پروفیسر دلشاد کلانچوی کے بیان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے بیان میں لکھتے ہیں:

''ویسے بھی رسم الخط کو چھوڑ کر سرائیکی اور سندھی دو الگ الگ زبانیں ہونے کے باوجود آپس میں بہنیں نظر آتی ہیں اور دونوں میں مٹھاس، گھلاوٹ اور فصاحت ایک جیسی ہے''۔(8)

اس حقیقت سے زیادہ تر سندھی اور سرائیکی محققین متفق ہیں کہ سرائیکی زبان کو نام وادی سندھ سے عطا ہوا۔ جسی ءاہل سندھ اپنی زبان سمجھتے رہے ہیں اور صرف لہجے اور سمت کی بنیاد پر اسے ''سرو'' کی کہتے تھے۔ جیسے کہ سرائیکی میں ''اُبھا'' (مشرق) اور تماں (مغرب) کے الفاظ مروج ہیں۔ اس بارے میں محمد اسلم رسول پوری کا بیان دیکھیں:

'' میرے خیال میں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ سندھ میں شرع سے سرائکی کا وہی نام مستعمل رہ گیا اور ہمارے پاس وہیں سے آیا۔ ورنہ یہاں تو اس زبان کو علاقے یا سمت کی بنیادوں پر ملتانی، اُچّی، ہندی، ڈیرہ والی، بہاولپوری، ہندکی، لہندا، جگدالی اور جٹکی کہا جاتا رہا ہے۔(9)

لیکن احسن واگھا اور حکیم فقیر الٰہی بخش سرائی سرائیکی کو سندھی لفظ ''سرو'' سے منسوب کرنے سے انکاری ہیں۔ وہ اپنے بیان میں لکھتے ہیں:

''سرائی قوم کے اکثر لوگ ''سرا'' کے باشندے ہیں جو بھکر اور ملتان کے درمیانی علاقے کا نام تھا۔ اسی لیے انہیں سرائی کہنے لگے۔ سرائی قوم کی مادری زبان سرائیکی ہے۔(10)

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ جھل مگسی، جعفر آباد، بلوچستان، وادی سندھ، ملتان اور راجستھان تک کی زبان کو کیسے بھکر اور ملتان کے درمیان مقیّد کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک سندھی اور سرائیکی کا تہذیبی تعلق ہے تو اس سے بھی قطعاً انکار ممکن نہیں کہ یہ خطے کی دونوں عظیم زبانیں تاریخی لحاظ سے ایک جیسی تہذیبوں کے زیر اثر رہی ہیں۔ جن میں دراوڑی تہذیب، آریائی تہذیب اور اسلامی تہذیب نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر طاہرہ منیر:

''وادی سندھ اور اس کے دریائوں کی تہذیب کا شمار قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے تو پنجاب میں بھی آبادی کی نشاندہی تین لاکھ سال سے زائد عرصہ تک کی جا چکی ہے۔ اسی طرح بلوچستان کا سندھ سے تاریخی رشتہ قائم ہے۔ کیونکہ یہاں بھی وہی تہذیب رائج تھی جو وادی سندھ میں قائم تھی۔(11)

وادی سندھ میں تہذیبی عمل دراوڑوں کے دور سے شروع ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں یہاں شہر بسنے لگے اور ایک شہری نظام متشکل ہونے لگا۔ باہمی تجارت اور لین دین کا رواج موجود تھا اور یہاں

کے لوگ ذرائع مواصلات سے بھی واقف تھے۔ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ بیل گاڑی رسل ورسائل اور مال برداری کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ دراوڑی تہذیب کی وسعت کے بارے میں قیس مسیح دیروی لکھتے ہیں:

''تہذیبی اور صنعتی حوالے سے یہ لوگ بہت اونچے معیار کے مالک تھے۔ وادی سندھ کی دراوڑ تہذیب کا دائرہ آج کے صوبہ پنجاب، سندھ، سرحد، جنوبی بلوچستان کے علاوہ بھارت کے صوبہ پنجاب، ہریانہ راجستھان اور گجرات کے کچھ علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔''(12)

اسی طرح قیس مسیح آریائی تہذیب کے حوالے سے مزید آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''آریا جفاکش اور جنگجو تھے۔ لیکن تہذیب وتمدن کی اعلیٰ اقدار سے ناآشنا تھے۔ جبکہ سرائیکی خطہ تہذیب یافتہ تھا اور ملتان کے تمدنی مراکز کی وجہ سے اس میں شہریت موجود تھی''۔(13)

ایسے ہی ڈاکٹر عبدالمجید میمن سندھی اپنی تحقیق میں وادی سندھ کی لسانی، تہذیبی، تجارتی اور مذہبی وسعت کے ابرے میں لکھتے ہیں:

''قدیم زمانے میں ایک لمبے عرصے تک سندھ، پنجاب اور کشمیر حکومت سندھ میں شامل رہے۔ آریائوں کی آمد سے پہلے ان علاقوں کے آپس میں لسانی، تہذیبی، تجارتی اور مذہبی تعلقات تھے۔(14)

یہ حقیقت ہے کہ سیاسی طور پر آریائوں کو وادی سندھ میں غلبہ حاصل ہو گیا۔ وادی سندھ کی زرخیزی اور دریائوں نے ان کے دل موہ لیے۔ انہوں نے ویدوں میں دریائوں کے قصید سے لکھے۔ دریائے سرسوتی توان کی خاص عقیدت کا مرکز تھا۔ اس کے باوجود ان کی اخلاقی پستی کا سبب طبقاتی درجہ بندی تھی۔ اس بارے میں ڈاکٹر مقبول گیلانی لکھتے ہیں:

''وادی سندھ کی تہذیب پر جس دوسری قوم نے اثرات ڈالے وہ آریا ہیں۔ جو آریا یہاں مستقل آباد ہو گئے تو انہوں نے اپنی مذہبی اور تاریخی سرمائے کو رگ وید کی شکل میں محفوظ کر لیا۔ ذات پات کے مسئلے کھڑے کیے۔ انسانوں میں اونچ نیچ کے مقام بنائے''۔(15)

اس میں بھی شک نہیں کہ وادی سندھ کے لوگوں نے یہاں کی تہذیب کی تخلیق کی۔ حملہ آور وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کی تہذیب کا حصہ بن گئے۔ مقامی اور دراوڑی باقیات اور آریا نے اتنا عرصہ باہم رہنے کے بعد ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔ بقول ڈاکٹر غلام حیدر سندھی:

''سب اہل سندھ بن کر اپنے وطن، ثقافت اور زبان کے اجتماعی مفادات کے محافظ اور پاسبان رہے''۔(16)

دراوڑی اور آریائی تہذیبوں کے زوال کے بعد جب وادی سندھ میں اسلامی تہذیب کا آغاز ہوتا

ہے تو اس سے سندھی اور سرائیکی زبانیں یکساں اثر لیتی ہیں۔ اس مثالی، مربوط، منظم اور لازوال تہذیب اور نظامِ حیات کی کرنیں خلافتِ راشدہ کے زمانے میں یہاں پہنچیں۔ مگر ولید بن عبدالمالک کے زمانے میں مستقل طور پر سندھ کے لیے محمد بن قاسم کی کمان میں لشکر روانہ کیا۔ اس نے مکران، سندھ اور ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ بقول عتیق فکری:

''اب مستقل طور پر عرب قبیلے آباد ہو گئے اور سندھ اور ملتان میں باقاعدہ اسلامی حکومت قائم ہو گئی''۔(17)

وادی سندھ کی تہذیبی بنیادیں قبل از تاریخ کی گہرائیوں تک پہنچتی ہیں۔ وادی سندھ در حقیقت تہذیبوں کا ایک قدیم ترین گہوارہ رہی ہے۔ جس پر وقتاً فوقتاً کئی حملہ آور قومیں اپنا اثر ڈالتی رہی ہیں۔ آخری مظبوط اور لازوال اثر اسلامی تہذیب کا ہے۔

وادی سندھ اور سرائیکی خطے کی تاریخ محض جنگجوئی سے وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کی جڑیں زبان و ادب، فن تعمیرات، غذا اور غذائی عادات، لباس، زیورات، ظروف اور سب سے بڑھ کر سوچ و فکر اور عقائد و عبادات تک کے انقلابات میں یکساں پوشیدہ ہیں:

''111ہجری میں تمیم بن زید کے دور حکومت میں ملتان کا تعلق زیریں سندھ سے ٹوٹ گیا اور سندھی اور ملتانی دونوں زبانیں علیحدہ علیحدہ ترقی پانے لگیں۔(18)

یہ انتظامی تبدیلی اپنی جگہ مگر تک وادی سندھ سے لسانی تہذیبی تجارتی، معاشی اور معاشرتی رشتے آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہیں۔ آج کے الیکٹرانک میڈیا نے علاقائی زبان و ادب اور ثقافت کو اس قدر قریب تر کر دیا ہے کہ سندھی اور سرائیکی زبانیں قومی سطح پر ایک دوسرے سے الگ نظر نہیں آتیں۔

بھیرو مل آڈوانی یوں رقم طراز ہیں:

''سرائیکی زبان معنٰی سندھ اور سندھو سدی کے سرے یعنی اوپر حصے والی زبان''(19)

صوتیات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ سندھی اور سرائیکی زبانوں میں وہ صوتیات ایک جیسے ہیں اور دونوں یکسانیت بھی ہے جیسے کہ:

ٻ، ڄ، ڃ، ڏ، ڳ، ڱ

یہ آوازیں سنسکرت میں نہیں ہیں اور نہ کوئی پراکرت میں موجود ہے۔ سندھی اور سرائیکی زبان کے یہ منفرد آوازیں کسی قدیم اور ایک زبان کی نشاندہی کرتی ہیں۔ بھیرو مل آڈوانی پھر یوں رقم طراز ہیں:

سندھی میں ٻ، ڄ، ڏ، ڳ یہ چار نج سندھی الفاظ ہیں اگر یہ الفاظ جب آتے ہیں تو وہ نج سندھی الفاظ شمار کیا جاتا ہے۔ مثال طور ڄڄ ٻڏڻ ڏيڍ ڳائڻ یہ چاروں لفظ نہ سنسکرت میں نہ کسی

پراکرت زبان میں ہیں پھر ہم نہیں وہ کدھر سے لے کر آئیں ہیں؟

مزید لکھتے ہیں کہ سرائیکی بولنے والوں سے نہایت قدیم زمانے سے لے کر کلہوڑہ ور میروں کی ی تک۔ زیادہ تر لین دین کی وجہ سے ان سے سیکھتے ہیں۔ سرائیکی میں یہ چاروں حروف موجود ہیں:

دم دم سان ڏي دل تي سجڻان ديان ڳالھيان
ڏاڍا فراق لڳڙا، بره ٻاليان (بيڪس) (20)

اس حوالے سے اور بھی مثالیں دی ہیں:

سندھی	سرائیکی
ڏيٺ	ڏيوٹ
ڏند	ڏند
ڏسٽ	ڏيکڑ

حوالہ جات

1. سید نور علی ضامن حسینی، معارف سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، 2009ء ص20
2. سجاد حیدر پرویز، ڈاکٹر، مختصر تاریخ زبان وادب سرائیکی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، 2012ء ص1
3. عبدالمجید میمن سندھی، ڈاکٹر، لسانیات پاکستان، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1992ء، ص301
4. بلوچ نبی بخش، ڈاکٹر، سندھی بولیءَ ادب جی تاریخ، شمارہ3، پاکستان اسٹڈی سینٹر، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، 1990ء، ص33
5. ایچ ٹی لمبرک سندھ اے جنرل انٹروڈکشن ص396
6. مہر عبدالحق، ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور اردو اکادمی، 1967ء ص95,94
7. سجاد وحید پرویز، ڈاکٹر، مختصر تاریخ زبان وادب سرائیکی، ص13
8. دلشاد کلانچوی، پروفیسر، سرائیکی لسانیات، بہاولپور، اکادمی سرائیکی ادب، 2008ء، ص26
9. محمد اسلم رسول پوری، سرائیکی زبان اوندا رسم الخط تے آوازاں جام پور (راجن پور) 1980ء، ص49
10. حکیم فقیر الٰہی بخش سرائی، سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ، مضمون، مشمولہ، ہفت روزہ بشارت، مظفر گڑھ، 22 دسمبر 1960ء
11. طاہرہ نیر، ڈاکٹر اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، 1999ء ص، 429
12. قیس مسیح، سرائیکی تاریخ، ملتان، جھوک پبلشرز 2010ء، ص29
13. قیس مسیح، سرائیکی تاریخ، ص31,30
14. میمن عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، لسانیات پاکستان، ملتان، مقتدرہ قومی زبان، 1992ء، ص19
15. مقبول گیلانی، ڈاکٹر، سرائیکی زبان وادب، ملتان جھوک پبلشرز، 2011ء، ص50
16. غلام حیدر سندھی، ڈاکٹر، سندھی زبان وادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، 1999ء، ص50
17. عبدالحمید عتیق فکری، علامہ العتیق العتیق، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس 1971ء، ص115
18. مہر عبدالحق، ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، ص102
19. آڈوانی، بھیرومل مھرچند، سندھی بولی جی تاریخ، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، 2004ء، ص82
20. آڈوانی بھیرومل مھرچند، سندھی بولی جی تاریخ، ص86